اردو افسانہ "اپنے دُکھ مجھے دے دو" اور پنجابی افسانہ "وٹاندرا" کا تقابلی مطالعہ

A Comparative Study of Urdu Fiction "Apne Dukh Mujey De Do" and Punjabi Fiction "Vatandra"

Faizaan Adil
BS (Urdu), National University of Modern Language (NUML), Islamabad.
Usman Ghani
Lecturer, Urdu Department, National University of Modern Language (NUML), Islamabad.

KEYWORDS

Urdu Fiction
Punjabi Fiction
Problems of Women
Imprisoning of Girls
Freedom of Boys
Relationship
Non-woman

ABSTRACT

Why fiction is not in any language, its trends are almost the same. We have also compared them with the fiction of two different languages Urdu and Punjabi. "Apnay dukh mujhay de do", the famous legendary "rajinder singh badi", while the Punjabi "vatandra" is a Punjabi legendary "khalid farhad dharwal". The problems of women have been highlighted in our societies. When a daughter is born, her wishes are pressured by saying that keep quiet, you are a girl, you are not allowed to do this work and the guardian I imprisoned. On the contrary, boys have every kind of freedom. If they want, keep a relationship with a non-woman.

DATES

Received	18-06-2022
Accepted	28-08-2022
Published	20-09-2022

QR CODE

تقابلی مطالعہ دوزبانوں کے درمیان پائے جانے والے اشتراکات وافتراقات کا تجزیہ کرنے کا عمل ہے۔اس عمل کے ذریعے مختلف ادب کے موضوعات اور فن کی مماثلت یا تضاد کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے۔ایسا ادب جس میں ایک یا ایک سے زائد باتیں مشترک ہوں اس کا تقابل کیا جا سکتا ہے۔یعنی دونوں زبانوں کی صنف، تکنیک، زبان، موضوع ایک ہوں اور دونوں کسی تحریک ورجحان کے زیر اثر تخلیق کیے گئے ہوں یا پھر دونوں کے ماخذ ایک ہوں۔عالمی سطح پر تقابلی مطالعے کو بہت اہمیت دی جارہی ہے، جبکہ اردو میں تقابلی ادب کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جارہی۔تقابلی ادب کسی بھی ثقافت کو اندر سے سمجھنے کے لیے بے حد ضروری ہے۔تقابلی ادب کو بطور الگ مضمون پڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی اہمیت کا پتہ چل سکے۔اگر ہم تقابلی عمل کی ابتدا کے حوالے سے بات کریں تو اس کی ابتداء 1848 میں معروف شاعر "میتھو آرنلڈ" نے اپنے خط میں "Comparative Literature" لفظ کا استعمال کیا جس کے اردو معنی "تقابلی ادب" کے ہیں۔اگر ہم مزید دیکھیں تو تقابلی ادب کے آگے چل کر کئی دبستان قائم ہوئے جن میں فرانس وجرمن اور امریکی دبستان اہمیت کے حامل ہیں۔

تقابلی ادب ہر قسم کی حدود سے ماوراہوتا ہے اور وسیع پیمانوں پر ادبی مطالعہ کرتا ہے اور اس کے لیے ہر قسم کے طریقے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔اس کے ذریعے ہم ان سب پوشیدہ باتوں کے بارے میں علم حاصل کرسکتے ہیں کہ اس کی شاخیں کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں اور ادب پر کس حد اثر انداز ہیں۔تقابل کرتے وقت مقصد صرف قدر شناسی اور درجہ بندی ہوتا ہے اس بات کو ذہن میں رکھا جاتا ہے کہ کسی ایک فن پارے کو اعلیٰ اور دوسرے کو ادنیٰ ثابت کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان دونوں کی رنگینیوں اور ذائقوں کو سامنے لانا ہوتا ہے تاکہ ان میں قرب وبُعد کو ابھارا جاسکے۔

تخلیقی کارناموں کے تجزیے کے لیے تقابل ایک عمدہ تکنیک ہے۔اس سے آپ دو مختلف ثقافتوں، معاشرے، زبانوں اور ادب سے واقفیت حاصل کرسکتے ہیں۔تقابل کے دوران آپ ان دونوں تہذیبوں کے بارے میں جان پاتے ہیں جن دو کے درمیان تقابلی جائزہ کا عمل وجود میں آتا ہے۔تقابلی ادب کے بارے میں انتونی تور لبی لکھتے ہیں:

> "تقابلی ادب میں تخلیقی کارناموں کے تجزیے کے لیے تقابل کو نہایت ہی مفید تکنیک کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس میں تقابلی مطالعہ کے لیے ایک ہی زبان کی تحریروں کو منتخب نہیں کیا جاتا بلکہ دیگر رسالوں کے ادب میں موجود تقابل کے لحاظ سے اہم نکات کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے"[1]

[1] https://www.urdulinks.com/urj/?p=5132، تاریخ 11 جون 2022، وقت 02:19

تقابل کے دوران جب ہم کسی دوسرے ادب کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو یہ دونوں کے دوران رابطہ بناتا ہے جس کی بنیاد پر محقق اور قاری دونوں کو دوسرے ادب سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور وہاں کے رسوم سے آگاہی ملتی ہے۔ تقابلی مطالعہ دو یا دو سے زائد زبانوں کی ادبیات، تہذیب و ثقافت، سماج و سیاست، معیشت، مذہب وغیرہ کے ساتھ ساتھ ادبیات کی جمالیات اور خصوصیات کا بیرونی و باطنی سطح پر مطالعہ کرنا ہے۔

"تقابل ادیان" بھی تقابلی ادب کی ایک شاخ ہے۔ یہ مذہب کے مطالعہ کے حوالے سے ایک ایسا شعبہ ہے جس میں مختلف مذاہب کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ عام طور پر دوسرے مذاہب سے اپنے دین کو افضل ثابت کرنے کے لیے اس کی تعلیم لی جاتی ہے۔ اگر ہم بطور مسلمان بھی دیکھے توں ہمیں حق اور باطل میں فرق کرنے کا حکم ہے کہ ہم مختلف عوامل کا تقابل کر کے یہ فیصلہ کریں کہ صحیح کیا اور غلط کیا ہے۔ قرآن میں بھی کئی مقامات پر دوسرے مذاہب کے عوامل اور عقائد کا تقابل کیا گیا ہے، جس مذہب میں کوئی اچھائی ہے تو اس کا اعتراف کیا گیا جبکہ برائی کو مکمل طور پر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کو سننے، سمجھنے اور دیکھنے کی حسیات اس لیے دی گئیں ہیں تاکہ وہ اچھے برے میں تمیز کر سکے۔

"وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ

اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور سمجھنے کی صلاحیت دی"[2]

ہم چونکہ ایسے افسانوں کا تقابل کر رہے ہیں جن میں عورتوں کے مسائل پر بات کی گئی ہے۔ اگر ہم عورتوں کے مسائل کے تقابل کی بات کریں تو فن پارہ چاہے اردو میں ہو، انگریزی میں، پنجابی میں یا پھر کسی بھی اور زبان میں ہو تو ان میں عورتوں کے مسائل ایک جیسے ہیں۔ کیوں کہ زبان کی تبدیلی سے مسائل تبدیل نہیں ہوتے۔ اردو اور پنجابی زبان میں بہت سارے افسانے ہیں جو عورتوں کے مسائل کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔ اگر ہم دیکھیں تو طلاق اور اس کے بعد والی زندگی میں معاشرتی حوالے سے سامنے آنے والی مشکلات، زبردستی کی شادی، شادی کے بعد پیار کا نہ ملنا، لڑکے کا پیدا نہ ہونا، عورت کا بانجھ ہونا، شادی کے وقت جہیز کا نہ ملنا یا کم ملنا، بھائیوں کی طرف سے جائیداد میں حصہ نہ ملنا، کم عمری میں شادی، تشدد اور روزگار کے سلسلے میں گھر سے باہر نکلنے والی عورتوں کو ہراساں کرنا وغیرہ تمام ایسے مسائل ہیں جن کا عورتوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تمام ایسے مسائل ہیں جن پر عورت کا استحصال کیا جاتا ہے چاہے اس کا تعلق جس معاشرے سے بھی ہو۔ راجندر سنگھ بیدی نے اردو اور خالد فرہاد دھاریوال نے پنجابی میں بڑے عمدہ انداز میں عورتوں کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔

---

[2] القرآن، سورۃ 32: آیت 9۔

راجندر سنگھ بیدی 1915ء میں سیالکوٹ میں ہیرا سنگھ بیدی کے گھر میں پیدا ہوئے۔ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے سکول اور کالج تو گئے مگر والد کے انتقال کے بعد مزید تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی انھیں کہانیاں لکھنے اور پڑھنے سے لگاؤ تھا۔ راجندر سنگھ بیدی نے اپنے اس کام کی ابتدا تو محسن لاہوری کے نام سے کی۔ نہ صرف اردو میں بلکہ انگریزی اور پنجابی میں بھی نظمیں اور کہانیاں لکھ کر کی۔ کچھ عرصہ وہ ڈاکخانہ اور ریڈیو میں نوکری کرتے رہے جبکہ ملک تقسیم ہونے کے بعد بہت ساری تکالیف کا سامنا کر کے دہلی پہنچے اور وہاں کے ریڈیو اسٹیشن پر بطور اسسٹنٹ ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ ریڈیو والا سلسلہ لمبے عرصے تک نہ چل پایا اور وہ ممبئ گئے اور فلم کی دنیا میں قدم جما لیے اور بہت شاندار فلمیں لکھنے اور بنانے کا اعزاز حاصل کیا۔ وہ 1984ء میں ممبئ میں وفات پا گئے۔

"دانہ و دام" راجندر سنگھ بیدی کا پہلا مجموعہ تھا جو منظر عام پر آیا۔ "ایک چادر میلی سی" کے نام سے ان کا ایک ناول بھی شائع ہوا۔ انھوں نے ہمیشہ عام آدمی کے مسائل کے بارے میں لکھا اور چھوٹی چھوٹی گھریلو باتوں کو موضوع بنایا۔ ان کے افسانے ہمیشہ حقیقی زندگی کے ارد گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں نسوانی کرداروں کی کثیر تعداد دیکھنے کو ملتی ہے اور وہ عورت کو ہمیشہ ماں یا بیوی کے روپ میں پاک دامن اور وفادار بنا کر سامنے لاتے ہیں۔ اگر بیدی کے نسوانی کرداروں کی بات کریں تو ڈاکٹر زاہدہ بی لکھتی ہیں:

> "بیدی نے عورت کے جذبات، دلی کیفیات و نفسیات کی آئینہ داری مختلف زاویوں سے کی اور عورت کی معنویت کو سمجھنے کے لیے مرد کی نفسیات کو پہلو بہ پہلو بیان کیا۔ عورت اور خاص کر ہندوستانی عورت ہر حال میں ممتا کا روپ ہے کہیں براہ راست کہیں بلواسطہ وہ شفقت و ہمدردی کی مورت ہے"[3]

"خالد فرہاد دھاریوال" 10 جولائی 1978 کو سیالکوٹ کے سہر پسرور میں پیدا ہوئے۔ خالد فرہاد پنجابی زبان کے معروف افسانہ نگار ہیں۔ انھوں نے گریجوایشن کے بعد کچھ عرصہ ایک این جی او میں بطور فیلڈ سپر وائزر کام کیا۔ 2005ء میں زلزلہ متاثرین کی بحالی کے لیے ایبٹ آباد اور آزاد کشمیر میں کچھ وقت گزارا اور کچھ عرصہ سندھ کے دیہی علاقوں خاص کر "تھرپارکر" میں بھی بسر کیا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد نوکری چھوڑ کر انھوں نے کھیتی باڑی کا کام سنبھال لیا۔ وہ ایک ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ کسان بھی تھے۔ پچھلے کچھ سالوں سے وہ پنجابی کا ایک ویب میگزین "نیل کنٹھ" چلا رہے ہیں۔ انھوں نے عالمی ادب کے بہت سے تراجم کیے۔ خالد فرہاد دھاریوال ترجمہ نگار کے ساتھ ساتھ ایک عمدہ افسانہ نگار بھی ہیں۔ ان کی کتاب "وٹاندرا" اس کی عمدہ مثال ہے۔ ان کے افسانوں کے اردو، سندھی، انگریزی اور ہندی زبان میں تراجم ہو چکے ہیں۔ خالد فرہاد دھاریوال پاکستان رائٹرز گلڈ اور ایفرو ایشین رائٹرز یونین سمیت کئی ادبی تنظیموں کے ممبر ہیں۔

---

[3] زاہدہ بی، **راجندر سنگھ بیدی کی تخلیقات میں نسوانی کرداروں کا تجزیاتی مطالعہ** (علی گڑھ: دانگمیہ بکس، 2014ء)، 154۔

خالد فرہاد دھاریوال نے عام انسانی زندگی اور اس سے جڑے کرداروں کو موضوع بنایا اور ہمارے معاشرے میں ہونے والے مظالم خصوصی طور پر عورتوں کے استحصال کے حوالے سے عمدہ کام کیا ہے۔ ان کے افسانے پڑھتے وقت قاری ان میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ خود کو اس کا ایک کردار تصور کرنے لگتا ہے۔ ڈاکٹر آصف محمود خالد ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"خالد فرہاد دھاریوال دی کہانی واپر رہے واقعات دے سِر تے نہیں سگوں واپر رہے، یا بیتے ہوئے واقعات دے بارے پاتراں دے نفسیاتی رویئے دے سِر اُتے چلدی اے۔ اوہدی کہانی اکھاں ساہویں ٹُرن دی تھاں پاتراں دے خیال وچ ٹُردی جاپدی اے۔۔۔"[4]

"خالد فرہاد دھاریوال" کے افسانوں کا اہم موضوع پنجابی معاشرہ ہے۔ اگر دیکھا جائے تو پنجاب کی ثقافت کو جس طرح خالد فرہاد دھاریوال نے اپنے افسانوں میں بیان کیا ہے اس کی پنجابی ادب میں بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ انھوں نے پنجابی زبان کو عالمی سطح تک پہنچانے کے ساتھ پنجابی ثقافت کی بھی تشہیر کی ہے۔ آپ کے الفاظ میں ایسی تاثیر ہے جو پڑھنے والے کا اپنا اسیر بنا لیتی ہے۔

"راجندر سنگھ بیدی" افسانہ "اپنے دکھ مجھے دے دو" میں مدن اور اندو جو کہ ان کے افسانہ "اپنے دکھ مجھے دے دو" کے اہم قردار ہیں۔ مدن کو شادی کی پہلی رات رشتہ دار عورتیں جب کمرے میں دھکیلتی ہیں تو اندو سامنے شال لپیٹ کر بیٹھی ہوتی ہے، میاں بیوی کے درمیان آہستہ آہستہ نزدیکیاں ہوتیں ہیں اور اندو مدن سے کہتی ہے میں تم سے تمھارے سارے دکھ مانگتی ہوں جو آج سے میرے ہوئے مگر مدن اس کے بدلے کچھ نہیں مانگتا جبکہ اندو یہ چاہتی تھی کے بدلے میں مدن اس سے اس کی لاج، خوشی اور سکھ مانگ لے مگر ایسا نہ ہوا۔ افسانہ نگار نے اس کے بعد کے تمام معاملات کی عکاسی کی ہے، اگر یوں کہا جائے کہ راجندر سنگھ بیدی نے اس افسانے میں ہر گھر کی داستان بیان کی ہے تو اس میں کوئی دورائے نہ ہو گی۔

راجندر سنگھ بیدی افسانے میں لڑکیوں کی خواہشات کے حوالے سے وہ تمام باریکیاں سامنے لاتے ہیں کہ کس طرح انھوں نے خواب سجائے ہوتے ہیں کہ کوئی شہزادہ آئے گا جو ہمیں لے کر جائے گا۔ انھوں نے اپنی خیالی دنیا میں تمام چیزیں سوچ رکھی ہوتی ہیں بلکہ انھیں انتظار ہوتا ہے کہ وہ دن کب آئے گا اور ان کے خیالات اور خواہشات پوری ہوں گی۔ یہاں بھی جب مدن پلنگ کھینچ کر چاند کی روشنی میں کرتا ہے تاکہ اندو کا مُنھ دیکھ سکے اور جب قریب جانے لگتا ہے تو گھبرا رہا ہوتا ہے مگر یہ سوچ کر آگے بڑھتا ہے کہ وہ کوئی پرائی عورت تو نہیں جس کی طرف پڑھنے کا سبق اسے کم عمری سے پڑھا دیا گیا تھا:

---

[4] آصف محمود، دیباچہ، **مشمولہ: وٹاندرا** (لاہور: سچیت کتاب گھر، 2007ء)، 7۔

"شالو میں لپٹی ہوئی دلہن کو دیکھتے ہوئے اس نے فرض کر لیا وہاں اندو کا منھ ہو گا اور جب ہاتھ بڑھا کر اس نے پاس پڑی گٹھڑی کو چھوا تو وہیں اندو کا منھ تھا۔ مدن نے سوچا تھا کہ وہ آسانی سے مجھے اپنا آپ نہ دیکھنے دے گی۔ لیکن اندو نے ایسا کچھ نہ کیا، جیسے پیچھے کئی سالوں سے وہ اس لمحے کی منتظر ہو"[5]

دوسری طرف خالد فرہاد دھاریوال "وٹاندرا میں افسانہ کے مرکزی قردار تاجو کی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے یہاں کی عورتوں کے مسائل اور مشکلات کی عکاسی کر رہے ہیں کہ عورتوں کا کس طرح استحصال کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو کس طرح وٹے سٹے کے نام پر قربان کیا جاتا ہے۔ ان کو لنگڑے لولے یا پھر گونگے بہرے شوہر کے ساتھ صرف اس لیے رخصت کر دیا جاتا ہے تا کہ اس کے عیبی بھائی کی شادی ہو سکے۔ وہ اس پہلو پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ عورت کی مرضی پوچھے بغیر اس کی شادی ہوتی ہے پھر اس کی مرضی کے خلاف اسے طلاق دلوائی جاتی ہے اور دوبارہ اس کی اجازت لیے بنا اس کی شادی کروانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انھوں نے یہ آئینہ بھی دکھایا ہے کہ ایسی عورت جس کے پاس اولاد ہو اور اس نے دوبارہ شادی کرنی ہو تو اسے کس قسم کے مشکل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

وٹاندرا میں تاجو کی شادی ایک ایسے شخص سے کی جاتی جو رک رک کر بولتا ہے تا کہ اس کے بھینگے بھائی کی شادی ہو سکے۔ تاجو کو اپنے اور اپنی ہونے والی بھابھی کے ساتھ بہت ہمدردی ہوتی ہے کیوں کہ دونوں ہی وٹے سٹے کے نام پر قربان ہو رہی ہوتی ہیں۔ تاجو ایک خوبصورت اور جوان لڑکی تھی۔ جب اسے پتہ چلا کہ اس کی شادی ایسے شخص کے ساتھ ہو رہی ہے جو رک رک کر بولتا ہے تو اسے بہت افسوس ہوتا ہے کیوں کہ اس نے بھی اس عمر کی باقی تمام لڑکیوں کی طرح اپنے لیے جس طرح کے شوہر کی خواہش کی تھی اس میں ویسی کوئی خصوصیت بھی نہ تھی۔ اس نے جیسے مرد کی خواہش کی تھی اس کا ذکر خالد فرہاد دھاریوال کچھ یوں کرتے ہیں:

"کسے وی بج توں پاک ور دی، اک اجیہا ور جیہدے تے سکھیاں وچ مان کیتا جا سکے۔ اوہنوں عزیز مصر دی تریمت، یوسف زلیخاں دے قصے وچلی تریمت تے بڑا رشک آوندا، اوس بی بی اپنیاں سہیلیاں نوں جدوں یوسف دے درشن کروائے سن تاں بے سُرتی وچ اوہناں اپنیاں انگلیاں وڈھ لئیاں سن۔ تاجو وی چاہوندی سی کہ اوہدیاں سکھیاں سہیلیاں جد اوہدے سر دے سائیں نوں ویکھن تاں اپنیاں انگلیاں تاں اوہ بے شک نہ وڈھن پر ایہہ ضرور ہووے کہ اوہناں دیاں جیبھاں گُنگ ہو جان تے اوہ اہدیؑ کِھلی نہ اُڈا سکن"[6]

عورت کو ہمیشہ سے کسی نہ کسی کشمکش کا سامنا رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی کو خوش کرنے میں لگی رہتی ہے کبھی سامنے شوہر ہوتا ہے ، کبھی ساس سسر اور کبھی شوہر کے بھائی بہن۔ مدن کے والد بابو دھنی رام ریل سروس میں نوکری کرتے تھے اب ان کی سلیکشن بطور ہیڈ کلرک ہو گئی تھی جس کے لیے انھیں سہانپور جانا پڑا تھا۔ وہ وہاں جا کر بہت پریشان رہتے تھے ان کی چھٹی آنے پر جب مدن کو ان کے حالات

---

[5] ارشد ملک (مرتب)، **راجندر سنگھ بیدی کے 13 بہترین افسانے** (راولپنڈی: رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، 2018ء)، 12۔

[6] خالد فرہاد دھاریوال، **وٹاندرا** (لاہور: سچیت کتاب گھر، 2007ء)، 51۔

کا پتا چلا تو اس نے اندو کو بابو جی کے پاس بھیج دیا ابھی اندو کو گئے کچھ دن ہی ہوئے تھے مدن بہت اداس ہو گیا۔ اس نے چٹھی لکھ بھیجی کہ وہ ہوٹل کی روٹی کھا کھا کر تنگ آ چکا ہے اور اب اس سے مزید اکیلے نہیں رہا جاتا۔ وہ اندو کے واپس آنے تک اس قدر غم و غصہ سے بھر چکا تھا کہ کئی دن تک اس نے اس سے سیدھے منھ بات نہ کی، مگر اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اندو نے وہاں اس کے بغیر دن گزارے وہ بھی انتہائی تکلیف دہ تھے۔ اس دوران وہ جس غفلت اور غم کا شکار تھی اس کو راجندر سنگھ بیدی نے عمدہ انداز میں بیان کیا ہے:

> "اندو اپنے مدن سے دور، السائی ہوئی رہتی۔ وہ تو اپنے پہناوے تک سے غافل ہو گئی تھی۔ رسوئی میں یوں پھرتی جیسے کانجی ہاؤس میں گائے باہر منھ اٹھا اٹھا کر اپنے مالک کو ڈھونڈا کرتی ہے۔ کام وام کرنے کے بعد وہ کبھی اندر ٹرنکوں پر لیٹ جاتی، کبھی باہر کنیر کے بوٹے کے پاس اور کبھی آم کے پیڑ تلے، جو آنگن میں کھڑا سینکڑوں ہزاروں دلوں کو تھامے ہوئے تھا"[7]

عورت چاہے کسی معاشرے سے کیوں نہ ہو اسے خدا نے انتہائی حساس دل والا بنایا ہے۔ وہ تو کسی پرائے کی تکلیف دیکھ کر گھبرا اٹھتی ہے اور جب کوئی سامنے اپنا ہو یا اس سے اس کا کوئی ایسا رشتہ دور ہو جائے، جسے وہ بہت چاہتی ہو تو اس کی حساسیت کا پیمانا لبریز ہو جاتا اور آنسو بن کر نکلنے لگتا ہے۔ اسی طرح جب تاجو کی طلاق اس کی مرضی کے خلاف اس کی ماں اور بھائی کروا لیتے ہیں تو وہ بھی گم سم رہنے لگتی ہے۔ صرف طلاق ہی نہیں بلکہ اس کی دوسری شادی کی باتیں بھی ہونے لگتی ہیں تاکہ اس بہانے سے اس کے بھائی کی بھی شادی ہو جائے۔ آج تاجو کو دیکھنے کے لیے کچھ لوگ آ رہے تھے اور اس کی ماں تائی جنتے اسے سمجھا رہی تھی، مگر صبح سے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے اور ان کے پیچھے چھپے دکھوں کی پرچھائی اس کے چہرے پر صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اپنے غم میں اس قدر ڈوبی ہوئی تھی کہ اسے اپنی بیٹی کے رونے کی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی:

> "دھیے ویکھ! بھرا تیرے دا گھر وس جاؤ ہور کی چاہیدا ائے۔ تائی جنتے نے تاجو نوں کہیا جو ویڑھے دی اک نکرے منجی اُتے غم دی مورت بنی بیٹھی سی تے منجی دی پواندی پاوے نال لگی اوس دی دودھ وریسی بالڑی بُھکھ وجھوں ریہاڑے پئی ہوئی سی۔ تائی نے بالڑی نوں کچھڑ چایا، اپنے دوپٹے دے پلے نال اوہدا نک مونہہ پونجھیا تے پھر اوہنوں تاجو دی جھولی وچ پاندی بولی، لے پھڑ ددھ دے ایہنوں۔ ہنجوں جو اج سویر دے ای تاجو دیاں اکھیاں وچ پئے تردے سی، ویہہ پئے۔ بالڑی نوں چُپ کراندی ہوئی اوہ آپ وِلک پئی"[8]

موجودہ دور میں ہر رشتہ یا تعلق کسی نہ کسی مطلب یا مجبوری کی وجہ سے چل رہا ہے اور اس رشتے میں کسی قسم کی غلطی کی گنجائش نہیں ہوتی اگر کچھ بھی گڑبڑ ہوا، تو آپ کے تعلقات میں دراڑ آ جاتی ہے۔ اس کے برعکس ماں باپ کا ایک ایسا رشتہ ہے جس کے بارے میں اگر

---

[7] ارشد ملک (مرتب)، **راجندر سنگھ بیدی کے 13 بہترین افسانے** (راولپنڈی: رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، 2018ء)، 24۔

[8] خالد فرہاد دھاریوال، **وٹاندرا** (لاہور: سچیت کتاب گھر، 2007ء)، 47۔

ہم یہ کہیں کہ یہ وہ واحد رشتہ ہے جو بغیر کسی لالچ کے اولاد کی تمام ضرورتیں، خواہشات اور فرمائشیں پوری کرتا ہے تو اس میں کچھ غلط نہ ہو گا اور ماں کی تو جان ہی اپنی اولاد میں ہوتی ہے وہ ان کے دکھ سکھ میں برابر کی شریک ہوتی ہے۔ اولاد کی غیر موجودگی میں اسے ایک لمحے کا قرار نہیں ملتا۔ اسی طرح راجندر سنگھ بیدی بھی ماں کی اولاد کے لیے اس تڑپ کی عمدہ انداز میں عکاسی کرتے ہیں۔ مدن کے بابو جی کے انتقال کے بعد مدن بڑا افسردہ تھا اسے کسی سہارے کی ضرورت تھی جو موت سے بھی بڑا ہو۔ جب مدن رات کو گھر پلٹا تو تو دھرتی ماں کی بیٹی اندو نے مدن کو بانہوں میں لے لیا۔ اس رات اگر وہ اپنا آپ یوں مدن پر نثار نہ کرتی تو مدن باپ کے چلے جانے کا اتنا بڑا دکھ برداشت نہ کر پاتا۔ اندو کے اس سہارے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دس ماہ کے اندر اندر ماں بن گئی۔ جب اندو بڑے بچے کو شوہر کے پاس چھوڑ کر میکے جاتی ہے تو جانے کے بعد جو چٹھی مدن کو لکھتی ہے اس میں ماں کی ممتا اور تڑپ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان دنوں بڑے بچے کو مدن کے پاس چھوڑ کر چھوٹے کو چھاتی سے لگائے اندو میکے چلی گئی تھی۔ پیچھے منا طرح طرح کی ضد کرتا تھا جو کبھی مانی جاتی تھی اور کبھی نہیں بھی۔ میکے سے اندو کا خط آیا:

> "مجھے یہاں اپنے بیٹے کے رونے کی آواز آ رہی ہے، اسے کوئی مارتا تو نہیں؟، مدن کو بڑی حیرت ہوئی۔ ایک جاہل ان پڑھ عورت ایسی باتیں کیسے لکھ سکتی ہے؟[9]

ہمارے معاشرے میں ابھی تک بیٹے اور بیٹی میں فرق رکھا جاتا ہے۔ خصوصی طور پر سسرال اور بعض اوقات باپ کی طرف سے بھی بیٹی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح خالد فرہاد دھاریوال وٹاندرا میں اس بات پر روشنی ڈال رہے ہیں کہ تاجو سے طلاق کے بعد اس سے اس کی بیٹی نہ چھیننے کی وجہ کیا تھی۔ تاجو اپنے والدین کے گھر آتی تو اس لیے ہے کہ اس کی بھابھی کو بچہ ہونے والا ہوتا ہے مگر بچے کی پیدائش کے وقت اس کی بھابھی کا انتقال ہو جاتا ہے اور پھر اس کا بھائی پھجا اسے واپس اپنے شوہر کے گھر جانے نہیں دیتا جس کے بدلے میں اسے طلاق جیسی لعنت کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

> "تے ہن اوہ پیکے گھر اپنی بالڑی دے آہرے دن پئی کٹدی سی۔ تاجو دے بھانے ایہہ اوہدے سوہریاں دا اوہدے نال کیتا ہویا اک بھلا ای سی کہ اوہناں بالڑی اوہنوں لکھ کے دے دتی ہوئی سی۔ اوہ نہیں جاندی کہ بالڑی نوں اگلیاں کیہ کرنا سی، مُنڈا ہوندا تاں رکھ وی لیندے۔ اپنے ولوں تے اوہناں اپنا پلا پاک کیتا سی تاں جوں اگدوں ساک ملن وچ سوکھ رہوے، نالے خرچے دے دعوے توں وی چُنڈ چھٹی "[10]

[9]ارشد ملک (مرتب)، **راجندر سنگھ بیدی کے 13 بہترین افسانے** (راولپنڈی: رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، 2018ء)، 38۔

[10]خالد فرہاد دھاریوال، **وٹاندرا** (لاہور: سچیت کتاب گھر، 2007ء)، 53۔

لڑکیوں کو جتنے بھی لاڈ پیار سے کیوں نہ پالا ایک نا ایک دن انھیں والدین کا گھر چھوڑ کر جانا ہی پڑتا ہے۔ مگر ان کے ساتھ گھر میں اکثر برا سلوک کیا جاتا ہے۔ افسانہ اپنے دکھ مجھے دے دو میں منی جو کہ مدن کی بہن تھی اسے اپنی حرکتوں کی وجہ سے بابو جی سے مار پڑی تھی۔ اندو اسے چپ کروانے اور سلانے میں مصروف تھی جبکہ مدن بڑی بے چینی سے کمرے میں اندو کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ ایک بار رسوئی میں اندو کو بلانے کے لیے بھی گیا مگر اس نے اسے یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ منی کو سونے دو۔ مدن بہت ہی غصے میں واپس آ کر کمرے میں لیٹ گیا۔ جب اندو واپس منی کو سلا کر واپس آئی تو مدن کہنے لگا:

"زیادہ منہ مت لگاؤ اس چڑیل کو' کیوں، اس میں کیا پاپ ہے ؟'، یہی پاپ ہے' مدن نے اور چڑتے ہوئے کہا' وہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی تمہارا، جب دیکھو جونک کی طرح چمٹی ہوئی ہے دفان ہی نہیں ہوتی'۔۔'ہا!' اندو نے مدن کی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا' بہنوں اور بیٹیوں کو یوں تو دھتکارنا نہیں چاہیئے۔ بے چاری دو چار دن کی مہمان۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں، ایک دن چل ہی دے گی"[11]

ایک المیہ یہ بھی ہے ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کے حقوق صرف اس لیے پورے نہیں کیے جاتے کیونکہ وہ لڑکی ہے۔ اسی طرح خالد فرہاد دھاریوال نے بھی تاجو کے ساتھ بچپن میں ہونے مظالم کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح اس کو بچپن میں ہر کام سے یہ کہہ کر روک دیا جاتا کہ تم لڑکی ہو۔ ایک بار پھر اس کی شادی اس کی اجازت کے بغیر کرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور مگر وہ کچھ نہیں کر سکتی:

"اوہ احتجاج نہیں سی کر سکدی۔ ہتھ چُھٹ پِھجے توں ہڈیاں نہیں سی تڑوا سکدی۔ احتجاج تے اوہنے کدی بال پنے وچ کیتا ہووے تاں شاید، اودوں وی اوہدے احتجاج نوں اوہدی ضِد آکھ کے ٹال دِتا جاندا سی۔ چار جیاں دی قبیلداری وِچ جد سبھ کُجھ ہوندے سُندے وی اوہنوں کدی رجواں ٹک نہیں سی جُڑیا، کدے چنگا لیڑا لتا نہیں سی مِلیا،۔۔۔۔ صرف ایس لئی کہ اوہ کڑی سی تے ایہدے اُلٹ ایہہ سبھ کجھ پھجے نوں حاصل سی بس ایس لئی کہ اوہ اک منڈا سی"[12]

عورت جتنی مرضی محنت کرے جتنی مرضی مخلص ہو مگر مرد کی طرف سے اسے کسی نہ کسی موڑ پر دھتکارا ہی جاتا ہے۔ افسانہ "اپنے دکھ مجھے دے دو" میں بھی اندو جس دن سے بیاہ کر مدن کے گھر آتی ہے دن رات محنت کرتی ہے۔ اندو مدن کا کاروبار نہ چلنے کے باوجود پیسے اکٹھے کرتی ہے منی اور مدن کے بھائی کی شادی کرواتی ہے۔ مگر اس کی ان تمام قربانیوں کو بھلا دیا جاتا ہے، بیٹی کے پیدا ہونے کے بعد مدن اس سے دور دور رہنے لگتا اور سب لوگ اس بیچاری ننھی جان کو پھٹکار دیتے رہتے ہیں۔ مدن بھی اکثر گھر سے باہر رہنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک دن اندو جب مدن ایک طویل عرصے کے بعد مدن کے لیے تیار ہوتی ہے اور اس کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔ جب مدن گھر آتا ہے تو اسے دیکھ

---

[11] ارشد ملک (مرتب)، **راجندر سنگھ بیدی کے 13 بہترین افسانے** (راولپنڈی: رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، 2018ء)، 20۔

[12] خالد فرہاد دھاریوال، **وٹا ندرا** (لاہور: سچیت کتاب گھر، 2007ء)، 54۔

کر حیران رہ جاتا ہے۔ اندو اس سے لپٹ جاتی ہے وہ اس کو منھ اوپر اٹھاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس نے آج تک کیا کھویا اور کیا پایا۔ اندو مدن سے کہنے لگی کہ جس دن میں نے تم سے تمھارے دکھ مانگے تھے تم نے بدلے میں مجھ سے کیوں کچھ نہ مانگا تھا۔ تو مدن سوچتا ہے کہ میرے عزیزوں سے پیار، ان کی تعلیم، بیاہ شادیاں، بچے سب کچھ تو مجھے دیا۔ مگر اندو کو کچھ اور چاہیے تھا جس کا ذکر بیدی نے کچھ یوں کیا ہے: "اندو کچھ دیر چپ رہی اور پھر منھ پرے کرتے ہوئے بولی:

> "اپنی لاج، اپنی خوشی۔ اس وقت تم بھی کہہ دیتے: اپنے سکھ مجھے دو تو میں۔۔۔۔'اور اندو کا گلا رندھ گیا۔ اور کچھ دیر بعد بولی :'اب تو میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔'۔۔۔۔۔۔۔ پھر روتے ہوئے مدن اور اندو ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ اندو نے مدن کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایسی دنیاؤں میں لے گئی جہاں انسان مر کر ہی پہنچ سکتا ہے"[13]

اسی طرح تاجو کو بھی ہر لمحے اسے عورت ہونے کا احساس دلوایا گیا اور اس کے حقوق کو پامال کیا گیا۔ اس کی بھابھی کی موت اور بھائی کا دوسری شادی کے لیے لالچ اس کے طلاق کی وجہ بنے مگر اس کا احساس اس کے گھر والوں کو بالکل نہ تھا۔ اس کی ماں بھی اسے ہر وقت ذہنی طور پر بھائی کی شادی کے بدلے اسے قربان کرنے کے لیے تیار کرتی کہ اگر تم مان جاؤ گی تو تمھارے بھائی کا گھر بس جائے گا۔ پہلی شادی اس کی ہکلے کے ساتھ ہوئی تھی جبکہ اس دفعہ اس سے دگنی عمر کے بندے کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ جب اس کی ماں کے اسرار پر وہ منھ ہاتھ دھونے کے لیے گئی تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ بھی کسی جانور سے کم نہیں کیونکہ جانوروں کے واڑے میں کھڑے اس کے بھائی کی آواز وہاں تک آ رہی تھی جہاں کوئی آدمی اس کے بھائی سے نئی لائی جانے والی بھینس کے بارے میں بات کر رہا تھا:

> "لویری تاں چنگی اے پئی کنے دی لیاندی او؟۔۔ بس ڈھو لگ گیا سمجھ۔۔ پھر وی کجھ پتہ تے لگے۔۔۔ اوہ مینے سنگاں والی بوری نہیں سی اپنی؟۔۔ آہو۔۔۔ اوہدے توں وٹاندرا لایا اے۔۔۔ تاجو دا من پیڑ نال بھر گیا تے اکھیاوچ تر دے ہنجواں توں پرے من دے پاتال وچلے دکھ دا پرچھاواں چہرے تے ہور گوڑھا ہو گیا"[14]

اگر تقابل کیا جائے تو "راجندر سنگھ بیدی" نے افسانہ "اپنے دکھ مجھے دے دو" اور "خالد فرہاد دھاریوال" نے "وٹاندرا" میں بڑے ہی عمدہ انداز میں عورتوں کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔ دونوں نے اپنے اپنے افسانوں میں عورتوں کے ان تمام مسائل سے پردہ اٹھایا ہے جن کو سامنے لانا بے حد ضروری تھا۔ آخر کب تک عورتوں کا استحصال ہوتا رہے گا۔ اسے شادی سے پہلے تو گھر کی چار دیواری میں قید کیا جاتا اور شادی کے بعد سسرال والے اسے بیڑیوں میں جکڑ لیتے ہیں۔ انھوں نے اس بات پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ ماں بھی ایک عورت ہی ہوتی

---

[13] ارشد ملک (مرتب)، **راجندر سنگھ بیدی کے 13 بہترین افسانے** (راولپنڈی: رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، 2018ء)، 44۔

[14] خالد فرہاد دھاریوال، **وٹاندرا** (لاہور: سچیت کتاب گھر، 2007ء)، 55۔

ہے اور عورت کے ساتھ شادی کرنے کے لیے بھی ہر مرد بڑا خوش ہوتا ہے مگر جب اس کی اپنی بیٹی پیدا ہوتی ہے وہ کس طرح سے اپنے رویے کو تبدیل کرتا ہے اور اس بچی کو کس طرح دھتکارتا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ معاشرہ چاہے جو بھی ہو مسائل ایک جیسے ہوتے ہیں اور خصوصی طور پر عورتوں کے مسائل اور خواہشات مشترکہ ہوتی ہیں وہ چاہے مشرقی عورت ہو یا مغربی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک طرف "راجندر سنگھ بیدی" لکھتے ہیں کہ اندو کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ سالوں سے اس لمحے کی منتظر ہو کہ کب اس کا شوہر اس کا گھونگھٹ اٹھائے گا، تو دوسری طرف "خالد فرہاد دھاریوال" تاجو کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اپنی سہیلوں سے کس طرح سے اپنے سپنوں کے شہزادے کے بارے میں باتیں کرتی ہے اور خواہش مند ہوتی ہے کہ اس کا شوہر خوبصورت، دراز قد اور تمام خامیوں سے پاک ہو۔ اسی طرح اگر اندو شوہر سے دور جاتی ہے تو کس طرح السائی ہوئی پھرتی ہے اور اگر تاجو طلاق کے بعد میکے آجاتی ہے تو کس طرح اسے اپنے شوہر کے گھر کی یاد ستاتی ہے۔ ہمیں ان افسانوں کو پڑھنے کے بعد یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لڑکوں کی تو تمام خواہشات پوری ہوتی ہیں، والدین کی طرف سے ہر قسم کی آزادی ہوتی ہے وہ جہاں چاہیں جائیں جو کرنا چاہیں کریں، مگر لڑکیوں کو اس قسم کی کوئی آزادی نہیں ہوتی ان کی ہر خواہش کو یہ کہہ کر دبا دیا جاتا ہے کہ تم لڑکی ہو۔ "راجندر سنگھ بیدی" اور " خالد فرہاد دھاریوال" نے لڑکیوں کے ایک اور اہم مسئلے کی طرف توجہ دلوائی ہے اور وہ ہے ان کی بغیر اجازت شادی کرنا، کیا وہ کوئی جانور ہیں کہ جس کے ساتھ چاہا باندھ دیا اور وہ سر جھکائے چلتی رہے یہ سراسر زیادتی ہے۔ لڑکیوں کی بھی خواہشات ہوتی ہیں جن کو پورا کرنا والدین کے فرائض میں شامل ہے مگر افسوس ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ایک اور المیہ یہ ہے کہ بیوہ کے ساتھ شادی کے لئے کوئی رضامند نہیں ہوتا اور اگر وہ کسی غریب خاندان سے ہو تو پھر تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کی شادی ہو جائے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلاق کے بعد عورت کی زندگی مفلوج ہو جاتی ہے۔ مختصراً یہ کہ عورت کا استحصال ہر معاشرے میں ہوتا آیا ہے اور آج تک ہو رہا ہے، ہمیں اس عمل کی ضرورت ہے کہ ہم عورتوں کی عزت کریں اور ان کو ان کے حقوق دلوانے میں پیش پیش ہوں تاکہ عورتوں کے عالمی دن پر بیہودہ قسم کی عبارتیں لکھ کر معاشرے میں مزید بگاڑ پیدا کرنے کا سبب بنے۔

☆☆☆